. . . . . .

سید احمد شہیدؒ کے متعلق آپ کے رسالے میں ایک مضمون شائع ہُوا تھا، جو میرے نزدیک بوجوہ غیر مناسب تھا۔ مولانا عبید اللہ مرحوم و مغفور نے ذاتی رجحانات کی بنا پر قیاساً ایک رائے قائم کر لی تھی، جس کا اظہار انہوں نے اپنی کتاب میں فرمایا تھا اور اس پر بعض بے بنیاد حواشی بھی چھپ گئے تھے . . .

اب آپ نے تازہ شمارہ میں حضرت مجددؒ کی تجدیدی دعوت پر ایک مقالہ لکھا ہے اس سے اسلام کے مستقبل خصوصاً تبلیغ اسلام کے سلسلے میں جو سوالات پیدا ہوتے ہیں، غالباً آپ ان سے ناواقف نہیں ہوں گے۔ ہندوستان جیسی سرزمین میں شیعوں اور غیر مسلموں کی شدید مخالفت کے بعد اطمینان سے کوئی نظامِ حکومت کیوں کر قائم کیا جا سکتا تھا؟ کیا ہمیں یہ سمجھنا چاہیئے کہ حضرت مجدد کی تجدیدی دعوت کا مقصد و مدعا ہندوستان میں مسلسل جنگ و خوں ریزی تھا؟ پھر یہ دعوٰی کس بنا پر کیا جاتا ہے کہ عالمگیر کی کامیابی حضرت مجددؒ کی دعوتِ تجدیدی سے پیدا شدہ گروہ کی حمایت کا نتیجہ تھی؟ کم از کم تاریخ کے اوراق سے تو اس کی تائید نہیں ہوتی۔ نہ دارا شکوہ نے اس گروہ کی حمایت سے محرومی کے باعث شکست کھائی۔ دونوں کی فتح و شکست کے اسباب بالکل مختلف تھے۔ لہٰذا آپ شجاع اور مُراد کو مذکورہ بالا سلسلوں میں سے کس کے تحت رکھیں گے۔

اکبر یقیناً زیادہ پڑھا لکھا نہ تھا۔ عالمگیر نے ذاتی ذوق کی بنا پر باقاعدہ تعلیم پائی۔ وہ برابر علمی ریاضت میں مصروف رہا۔ طبعاً شیدائے اسلام تھا۔ تاہم اس کی کامیابی نہ تنہا ان اوصاف کا نتیجہ تھی اور نہ اسے تجدیدی دعوت سے پیدا شدہ گروہ کی خاص حمایت حاصل ہوئی۔ دھرمادت، سموگڑھ، کھجوہ اور اجمیر کے میدانِ ہائے جنگ میں جو قوتیں بالمقابل کار فرما تھیں، ان کی حیثیت تاریخی بیانات کے مطابق بالکل مختلف تھی۔ پھر عالمگیر مدت العمر اس شخص سے کام لیتا رہا، جسے وہ اہل سمجھتا تھا اور میرے علم کے مطابق کبھی کسی اہل شخص کو اس بنا پر نظر انداز نہ کیا گیا کہ وہ شیعہ تھا یا ہندو۔ اس نے بھی ہندوؤں کی دلداری میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ جسونت سنگھ کو صریح غداری کے باوصف دو مرتبہ معاف کیا اور زندگی بھر ملازمت میں رکھا۔ سیواجی کے خلاف میرزا راجا جے سنگھ کو سپہ سالارِ اعظم بنایا اور دلیر خاں جیسے شخص کو مرزا راجا کے تابع رکھا، جس کے بارے میں

اورنگ زیب کی رائے تھی کہ خود اس کے سوا کوئی خان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

اورنگ زیب کا ولی عہد محمد معظم بہادر شاہ ذاتی تحقیق کی بنا پر شیعہ ہو گیا تھا، اورنگ زیب اس سے بے خبر نہ تھا۔ مگر اسے بدستور ولی عہد رکھا اور تقسیم سلطنت کی آخری وصیت میں مرکزی سلطنت اس کے لیے تجویز کی۔

ہمارے زمانے میں تاریخ کا نقشہ خواہ مخواہ بگاڑا جا رہا ہے۔ ہر سرزمین کے خاص حالات ہوتے ہیں، مسلمانوں کے لیے سیدھا راستہ یہی تھا کہ ان خاص حالات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے پالیسی بنائیں جس سے اسلامی مقاصد کو تقویت پہنچے، نہ یہ کہ ہر قدم پر ایک خاص طریق و مسلک کو اپنا کر باقی سب کے خلاف اعلانِ جنگ فرما دیں۔ یہ طریقہ نہ اکبر نے اختیار کیا اور نہ اورنگ زیب نے۔ اب نیا س آرائیوں کے ذریعہ سے پوری تاریخ کی تعبیرات کے جو مضمون استوار کیے جا رہے ہیں، اُن سے دماغوں میں ژولیدگی اور افکار میں ابتری کے سوا کیا نتیجہ نکل سکتا ہے۔

خدا کے لیئے وہ تعبیرات اختیار فرمائیے، جو تاریخی اعتبار سے مسلّم ہوں۔ نیز زیبا سمجھی جائیں۔ شاہ ولی اللہ کی تحریرات کی تعبیرات بھی میرے نزدیک قطعاً زیبا معلوم نہیں ہوتیں۔ لیکن اس بارے میں مجھے یہاں بحث نہ چھیڑنی چاہیئے۔

ماہنامہ "الرحیم" کا ایک قاری

چند توضیحات

تخت و تاج کے لیے شاہجہان کے لڑکوں میں جنگ شروع ہوئی تو تمام اہم اور ممتاز راجپوت فوجی سردار دارا کی حمایت میں اُمنڈ پڑے۔ دھرمادت میں راجہ جسونت سنگھ نے اورنگ زیب کو آگرہ کی طرف بڑھنے سے روکا۔ راجہ کے ساتھ بے شمار راجپوت سردار تھے۔ لڑائی شروع ہوئی تو اس نے اپنے ہراول میں دس ہزار جوان رکھے۔ جس میں زیادہ تر راجپوت تھے۔ ان کی نگرانی میں مکند سنگھ ہاڈا، راجہ سجان سنگھ بندیلہ امر سنگھ، چندراوت، رتن راٹھور، ارجن کور، دیال داس جہالی، موہن سنگھ ہاڈا اور دوسرے نامی سرداروں

کے ذمے تھے۔ التمش میں مہیش داس گوڑ، گوردھن راٹھور اور دوسرے جانباز راجپوت تھے۔ قول میں خود راجہ جسونت سنگھ دو ہزار راجپوت سواروں اور بھیم داس ولد راجہ بیتھل داس گوڑ اور دوسرے سرداروں کے ساتھ تھا۔ میمنہ قول پر راجہ جے سنگھ سیسودیہ اپنے بہادر راجپوت سرداروں کے ہمراہ تھا۔ لشکر کا کیمپ لوجی پرسوجی اور راجہ دیبی سنگھ کی نگرانی میں تھا۔ کچھ مسلمان سردار بھی ضرور تھے لیکن وہ انگشت بدنداں مقتے کردہ کیا دیکھ رہے ہیں۔

. . . . اس کے بعد سموگڈھ کے میدان میں دارا نے اورنگ زیب کے مقابلے میں پھر ایک بار قسمت آزمائی کی اور راجپوتوں نے بھی ایک بار پھر دارا کو تخت پر بٹھانے کی کوشش کی۔ چنانچہ ان کے جتنے آزمودہ کار اور نامور فوجی سردار تھے، مثلاً . . . . وغیرہ سب اکٹھے ہوئے . . . . . . اور راجپوتوں کے تمام نامور سردار مثلاً . . . . . ایک ایک کرکے دارا کی خاطر مارے گئے۔

. . . . . . عام طور سے یہ خیال ہے کہ اورنگ زیب نے اپنی تنگ نظری سے راجپوتوں کو اپنے سے بدظن کیا۔ اورنگ زیب تنگ نظر تھا یا نہیں، یہ بحث ہمارے موضوع سے باہر ہے، لیکن راجپوت اکبری دور سے شاہجہانی عہد تک دربار اور میدانِ جنگ میں حکومت کے درباری امراء اور فوجی سرداروں کے دوش بدوش رہ کر سلطنت کے ایسے ضروری اجزاء بن چکے تھے کہ اورنگ زیب جیسا ہوشمند اور زیرک حکمران رواداری، راجپوتوں کی دلجوئی اور دلداری کے لیے نہیں تو کم از کم اپنی حکومت کے مصالح اور سلطنت کی پائیداری کی خاطر اُن کو کسی حال میں نظر انداز نہیں کر سکتا تھا . . . .

یہ ضرور ہے کہ وہ اپنے مذہب کا بڑا پابند بلکہ گرویدہ رہا اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اسی کے دور میں مرہٹوں کے اردگرد ہندوؤں کی ایک غیر معمولی طاقت ابھرنی شروع ہوئی (نہ صرف مرہٹوں کے اردگرد بلکہ سکھوں اور جاٹوں کے اردگرد بھی۔ از ندیم) مگر اس کو اورنگ زیب کی تنگ نظری اور تنگ دلی کا نتیجہ قرار دینا مؤرخانہ بصیرت کی دلیل نہیں۔ بلکہ اس کا تجزیہ اس طرح کیا جائے تو صحیح ہوگا کہ مسلمانوں کی تنظیمی اور اجتماعی زندگی سے ہندو متاثر ہو رہے تھے۔ راجپوتوں نے سلاطینِ دہلی اور مغل بادشاہوں سے برابر ٹکر لی، لیکن یہ ٹکر انفرادی طور پر راجپوت خاندانوں کی رہی، وہ کبھی متحد ہو کر نہیں لڑے . . . . . اس اختلاف اور نفاق کے مضرت رساں پہلو سے ہندو اچھی طرح واقف ہو چکے تھے، اس لیے فطری اور لازمی طور پر ان میں اجتماعی اور تنظیمی شعور پیدا ہوتا گیا، جس کا عملی ظہور مرہٹوں کی قیادت میں ہوا۔ اجتماعی شعور کے ساتھ ساتھ ان میں مذہبی خودداری، سیاسی سربلندی اور

معاشرتی عزتِ نفس کا احساس بڑھتا گیا اور وہ ان تمام باتوں پر اپنی ناگواری کا اظہار کرنے لگے، جن کو وہ پہلے اجتماعی شعور کے نہ ہونے سے ناقابلِ التفات سمجھتے رہے۔ انہوں نے اپنی ناگواری کا اظہار کر کے حکمران طبقہ کے احساسِ برتری کو بھی دور کرنے کی کوشش کی۔ ان کا ایسا کرنا قابلِ اعتراض نہیں کہا جاسکتا ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ ظاہر ہے کہ حکمران طبقہ اپنی برتری اور سطوت زائل ہونے کیوں دیتا، خصوصاً جب اس کے پاس طاقت و حشمت کے علاوہ اپنی گوناگوں فضیلت کے احساس کی شدت بھی تھی........

(ماخوذ از "ہندوستان کے عہدِ وسطیٰ کا فوجی نظام" مرتبہ سید صباح الدین عبدالرحمٰن ایم۔ اے)

(حضرت مجدد الف ثانیؒ کی تجدیدی دعوت کا اوّلین مخاطب دراصل یہی حکمران طبقہ تھا۔ جسے اس وقت ہندوستان میں برتری اور سطوت حاصل تھی۔ اور اس کے پاس طاقت و حشمت کے علاوہ اپنی گوناگوں فضیلت کے احساس کی شدت بھی تھی ـــ مُدیر)

کتاب "ہندوستان کے عہدِ وسطیٰ کا فوجی نظام" کا یہ اقتباس بھی ملاحظہ ہو:۔

"...... ترکوں اور مغلوں کی مذہبی زندگی میں امامت اور اقتدار کا جزو بہت ہی اہم رہا۔ وہ روزانہ پانچوں وقت کی نماز باجماعت میں ایک امام کی آواز پر رکوع اور سجود کرنے کے عادی رہے۔ ہر فرد واحد اپنے کو ایک وسیع ترملی اور روحانی وجود سے منسلک پاتا تھا اس لیے غیر شعوری طور پر ان میں اجتماعی زندگی کا ایک خاص مزاج خود بخود موجود رہتا، جن سے جنگی ترتیب و تنظیم میں خاص طور پر فائدے پہنچتے رہے۔ وہ ایک فوجی سردار کی قیادت آسانی سے قبول کر لیتے اور اس کے حکم پر منظم طریقہ سے متحرک ہونے اور میدانِ جنگ میں مرتب طریقے سے صف آرا بھی ہوجاتے۔"

"...... اکبر کے سوا شاید ہی کوئی ایسا حکمراں تھا، خواہ وہ کتنا ہی رندمشرب کیوں نہ ہو، جو ضرورت کے وقت اپنے سپاہیوں کے مذہبی جذبات کو نہ ابھارتا ہو، وہ کسی راجہ کے خلاف لشکر کشی کرتا تو اس کے اسباب ذاتی یا سیاسی بھی ہوتے، تو بھی اس کو وہ جہاد کا رنگ ضرور دے دیتا۔ اور اپنے لشکریوں کی تمام مجاہدانہ اسپرٹ کو ابھار کر اُن کو میدانِ جنگ میں اُتارتا اور یہ لشکری بھی مذہبی جذبات سے مغلوب ہوجاتے اور غازی کا درجہ یا شہادت کی سعادت حاصل کرنے کی خاطر پوری سرفروشی سے کام لیتے اور جب یہ جذبہ اُبھر جاتا تو یہ بہتر سے بہتر آلاتِ حرب اور عمدہ سے عمدہ فوجی تنظیم سے زیادہ مفید اور کارگر ثابت ہوتا...... راجپوتوں میں اس قسم کے مذہبی جذبات ابھارنے والا کوئی فوجی سردار نہ ہوتا۔ یا اگر ابھارتا بھی تو اس پیمانے پر نہ ابھرتے، جو ترکوں اور افغانوں میں ابھرا کرتے تھے....."

(حضرت مجدد الف ثانیؒ کی تجدیدی دعوت کی بدولت ترک اور افغان طبقوں کے ان مذہبی جذبات کو ایک تازہ پیامِ عمل ملا، اور اگرچہ "شاہجہان کے آخری دور میں مغل لشکر اور دربار میں راجپوتوں کا غلبہ اور استیلاء نظر آتا تھا اور ان کی یہ حیثیت بھی ہوگئی تھی کہ وہ تخت و تاج کے وارث کی قسمت بھی بنا اور بگاڑ سکتے تھے[1]" اورنگ زیب کی قیادت میں ترک اور افغان سیادت اُن پر غالب رہی۔ مُدیر)

---

[1] ہندوستان کے عہدِ وسطیٰ کا فوجی نظام۔